ردّ الحاد، کلامِ اقبال کے تناظر میں

ڈاکٹر جواد احمد (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، چارسدہ)
ڈاکٹر محمد عثمان (لیکچرار شعبہ اردو، جامعہ اسلامیہ پشاور)
ڈاکٹر مہ وش رحیم (لیکچرار اردو محکمہ اعلیٰ تعلیم خیبر پختونخوا)

Abstract
Allama Iqbal is one of the prominent Urdu and Persian poets of the 20th Century who openly criticized the negative aspects of Western civilization. Among these intellectual movements of Western civilization there is also atheism. It is no secret that the religion of Islam is the center of his poetry and atheism rejects religion. This is a rational attitude in which the existence of God is denied and attempts are made to prove through rational arguments that the universe has always existed and will always exist. Iqbal's entire poetry rejects this attitude and declares that this universe is the creation of God and is running by His command. In this research paper, an attempt has been made to aplly the theoretical discussions of atheism to iqbal's words so that Iqbal's thoughts regarding atheism can be understood.

Keywords: atheism, Denial of God, Religion, Philosophy, Uncertainty, Sense of Certainty, Materialism

الحاد (Atheism) ذہن انسانی کی فعلیت کے اس منطقی اور عقلی طریقہ کار کا نام ہے جو انسان سے اس کا سب سے بنیادی روحانی اثاثہ، یقین چھین لیتا ہے اور اسے تشکیک اور بے یقینی جیسے پیچیدہ مسائل سے دوچار کرتا ہے۔ اس نے انسان سے اس کے اقدار اور عقائد غصب کرتے ہوئے اُسے مذہب بیزاری، مادیت پرستی، انکارِ الٰہ اور احساسِ تنہائی سے نوازتے ہوئے اسے اُس مقام پر لا کھڑا کر دیا ہے جہاں نہ اُسے عرفانِ ذات نصیب ہوتا ہے اور نا ہی وہ معرفتِ الٰہ کا جو گا باقی رہا ہے۔ اُس کا دماغ فتنہ تراش، دل تیرہ و نگہ بے باک ہوتا ہے۔ اس ذہنی ساخت کو لے کر وہ "ماننے" سے زیادہ "جاننے" پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ خدا اور اقدار کی نفی کرتے ہوئے وہ یہ اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ "میں خود سے ہوں اور خود کے لیے ہوں۔"(۱) اس طرح کے فکری رویہ کا خشتِ اولین، تشکیک ہوتا ہے جب کہ انکار معبود اس کا تکملہ ہوتا ہے۔

الحاد کے ساتھ ساتھ دہریت کی اصطلاح بھی کافی شہرت رکھتی ہے۔ الحاد یا دہریت کو صاف لفظوں میں ضدِ مذہب کہا جا سکتا ہے۔ مذہب عبد و معبود کے تعلق، واردات و کیفیات کا مظہر ہوتا ہے۔ دوسری طرف دہریت، جو الحاد کے لیے فکری و عقلی تشکیلات پر مبنی ایک ایسی ثقافتی اور سماجی صورتِ حال بن گئی ہے جس نے ہر قسم کے خدا، دیوتا یا مافوق الفطرت ہستیوں کی قطعی نفی کو اپنا شعار بنایا ہوا ہے۔(۲)

جدید الحاد تین طریقوں سے اپنی واردات ڈالتا ہے۔ Agnosticism کے دعویداروں کا ماننا ہے کہ خالقِ کائنات کا وجودِ حقیقی انسانی ادراک سے ماورا ہے اور چونکہ اس حوالے سے قطعی علم کا وجود نہیں ہے لہٰذا ذاتِ باری کے وجود کے اثبات و نفی میں سکوت نسبتاً مہذب رویہ ہے۔ کچھ ملحدین "Deism" کے لبادے میں خیال رکھتے ہیں کہ اگرچہ خالق فی الاصل موجود ہے البتہ تخلیق کائنات کے بعد اب وہ اس سے بے نیاز ہو چکا ہے لہٰذا اب نظامِ کائنات ایک خود کار ارتقائی عمل کے تحت رواں دواں ہے۔ ڈیوڈ ہیوم، جان مڈلٹن اور ایڈم اسمتھ اس طرزِ فکر کے نمائندے ہیں۔(۳) آخری صورت "Gnosticism" ہوتی ہے جو قطعی انداز میں کسی بھی مافوق الفطرت وجود سے انکار کا نام ہے۔

علامہ اقبال کی شاعری میں الحاد "Atheism" کی تمام صورتوں کا رد پڑھنے کو ملتا ہے۔ انہوں نے الحاد کو نہ صرف پڑھا اور سمجھا ہے بلکہ دور یورپ میں اسے قریب سے دیکھا بھی ہے۔ وہ عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر تھے کیونکہ ان کا مزاج عارفانہ تھا۔ انہیں یہ بھی دعویٰ تھا کہ خاکِ مدینہ و نجف کا سرمہ ان کی آنکھوں میں ڈلا ہے اس وجہ سے جلوۂ دانشِ فرنگ ان کی آنکھوں کو خیرہ نہ کر سکا اور وہ مثلِ خلیل اس آگ سے صحیح سالم نکلنے میں کامیاب ہوئے۔

اقبال کے اس دعوے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کتنا ہی فلسفہ کیوں نہ بھگارے، اس کی تان آخر میں مذہب پر ہی ٹوٹتی ہے۔ مذہب ان کے نزدیک وہ قوت ہے جس کے سامنے فلسفہ و منطق ہیچ پڑتے ہیں۔ اقبال کے فکری دور پختگی میں دنیا میں مذہب بیزاری جوبن پر تھی۔ ایک طرف ان کے کارل مارکس کا فلسفہ دنیا کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے تھا، جس نے مذہب کو افیون کہا، وہیں دوسری طرف فرائیڈ نے بھی اپنی ترکش کے تیر مذہب پر برسا کر اور اسے نفسی بیماری قرار دے کر اس کے وجود پر ہی سوالات اُٹھا دیے۔ اقبال نے اس پر آشوب دور میں دامنِ دیں کا ہاتھ سے چھوٹنا زوالِ ملت قرار دیا اور "جوابِ شکوہ" میں ببانگِ دہل کہا:

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں (۴)

مذہب سے انکار کی ایک جہت سیاست میں سیکولرازم کی صورت میں سامنے آئی جس نے سیاست میں مذہب کی رہنمائی اور بالادستی کو چیلنج کیا۔ اقبال کی تیز نگاہوں نے اس خطرے کو بروقت بھانپ لیا اور اسے چنگیزیت سے مشابہ قرار دیا۔ ملاحظہ کیجیے:

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی (۵)

مذہب چونکہ خدا کا تعارف ہوتا ہے لہٰذا مذہب کے ساتھ ساتھ اقبال کے کلام میں خدا کی حقانیت، خالقیت اور عظمت کا ادراک اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ اس نظام کا نہ صرف خالق ہے بلکہ وہ اپنی حکمت اور قدرتِ کاملہ سے اسے جاری رکھے ہوئے ہے۔ کائنات میں مسلسل دمادم صدائے کن فیکون کا آنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ کائنات ہمیشہ سے نہیں ہے اور ہمیشہ نہیں رہے گی۔ یہاں اقبال بگ بینگ، نظریۂ ارتقا اور مادیت کو ایک ہی شعر سے رد کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کُن فیکون (۶)

خدا ہی اس کائنات کا حاکم و مقتدر ہستی ہے اسے فنا نہیں ہے اور یہی صفت اسے سروری کا حق دیتی ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آذری (۷)

اقبال کا ذہن و قلب دونوں مومن ہیں۔ وہ نطشے کی طرح کافرانہ دماغ نہیں رکھتے۔ اسی وجہ سے وہ نہ تو خدا کو چیلنج کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی موت کا اعلان کرتے ہیں۔ وہ مقامِ بندگی پر فائز ہوتے ہوئے مقامِ کبریائی کی عظمت کے آگے سر جھکانے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور حمدیہ انداز میں کہتے ہیں:

تو ہے محیطِ بے کراں، میں ہوں ذرا سی آبجو
یا مجھے ہمکنار کر، یا مجھے بے کنار کر

میں ہو صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو
میں ہوں خذف تو تو مجھے گوہر شاہوار کر (۸)

اقبال نے ملحدین کے برعکس ذاتِ باری تعالیٰ کو قوت عشق سے جاننے، پہچاننے اور ماننے کے مراحل طے کیے ہیں۔ اس سفر معرفت میں انہوں نے پیر رومی کا ہاتھ تھاما ہے اور ان کے سنگ سنگ چلے ہیں۔ پیر رومی ہی نے انہیں سمجھایا ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کو سمجھنے میں عقل کی باگ عشق کے ہاتھوں تھمانا پڑتی ہے۔ انہوں نے عقل پرستی کے حدود و قیود پر غور و فکر کے بعد ہی عشق کو عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں قرار دیا ہے۔ عقل مادی اشیا پر تکیہ کرتی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ حواسِ خمسہ ہی عقلی فعلیت کا مرکز و محور ہوتے ہیں۔ اقبال نے عقل کو چراغِ راہگزر کہا ہے اور اسے زمان و مکان کا اسیر قرار دیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

وہ عقل جو مہ و پروین کا کھیلتی ہے شکار
شریکِ شورشِ پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں (۹)

یا یہ رباعی ملاحظہ کیجیے جس میں خرد کی اصلیت اور حدود کا تعین کیا گیا ہے۔

خرد سے راہرو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے چراغِ رہ گزر ہے
درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغِ رہ گزر کو کیا خبر ہے (۱۰)

خرد چونکہ درونِ خانہ ہنگاموں کی جانکاری کی قوت نہیں رکھتی یہی وجہ ہے کہ اقبال نے اسلاف کا جذبِ دروں عطا کرنے کی دعا کی ہے جو افکار کی دنیا میں سفر کرنے، حکمت کے خم و پیچ میں الجھنے اور زندگی کی شبِ تاریک سر کرنے کی اہلیت اور صلاحیت رکھتا ہے۔ عقل پرستی حضوریت سے محروم رہتی ہے۔ تخمین و ظن کا اسیر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اقبال نے "علم و عشق" کے عنوان سے ضربِ کلیم میں علم کو ابن الکتاب اور عشق کو ام الکتاب قرار دیتے ہوئے عقل کی صلاحیت اور حدود یوں متعین کیے ہیں:

عشق کی گرمی سے ہے معرکہ کائنات
علم مقامِ صفات، عشق تماشائے ذات
عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات
علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پنہاں جواب (۱۱)

اقبال نے حیات بعد ممات جیسے مذہبی اور فلسفیانہ مسئلہ کو بھی عشق کی امامت میں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ دہریت میں مادہ پرستی پر اعتقاد اس کی بنیاد ہے۔ یہاں انسان کا مر کر دوبارہ جی اُٹھنا ناممکنات میں سے سمجھا جاتا ہے جس کی اصل وجہ اس مسئلہ کو عقل اور حواس کے محدود دائرۂ کار کے تناظر میں پرکھنا ہے۔ اقبال کا اعتقاد یہ ہے کہ انسانی زندگی کی تکمیل موت سے ممکن ہوتی ہے۔ اگر احتساب نہ ہو تو مقصدِ حیات ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اقبالؔ بھی میرؔ کی طرح موت کو لمحۂ ماندگی سمجھ کر آگے کے سفر کے لیے رختِ سفر باندھنا سمجھتے ہیں۔ اپنی نظم "والدہ مرحومہ کی یاد میں" میں لکھتے ہیں:

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے (۱۲)

اس کے بعد اقبال عقلی اور منطقی استدلال سے دہریت کو رد کرتے ہوئے حیات بعد ممات پر اعتقاد کو یوں واضح کرتے ہیں:

یہ اگر آئینِ ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح
مرقدِ انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صبح (۱۳)

انسان عدم سے وجد میں آیا اور یہ وجود پھر راہیٔ عدم کو چ کر جاتا ہے جو ہستی عدم کو وجود دینے پر قادر ہے وہ اس پر بھی قدرت رکھتی ہے کہ پہلے سے موجود ہیولیٰ میں دوبارہ زندگی کے آثار نمایاں کرے۔ اقبال نے موت وحیات کے اس کھیل کو پرندے کے پروں کے پڑپڑانے سے تشبیہ دی ہے جس کے سہارے وہ ایک شاخ سے اُڑ کر دوسری شاخ پر بسیرا کرتا ہے۔ یہی وہ استدلالی انداز ہے جو نہ صرف اس اعتقادی مسئلہ کو حل کی طرف لے کر جاتا ہے بلکہ موت کے خوف کو بھی قابو کرتا ہے جس نے ملتِ اسلامیہ کو بے باکی، قلندری، جرأتِ اظہار اور مستیٔ کردار جیسی صفات سے محروم کر دیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

خوگرِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدنِ پر کچھ نہیں (۱۴)

الحاد کا آخری اہم حربہ تشکیک کی نشوونما کرتے ہوئے بے یقینی کی کیفیت پیدا کرنا ہے۔ تشکیک مذہب کی بنیادیں ہلا دیتی ہے۔ اس میں تصدیقِ قلب نصیب نہیں ہوتا جو دین کی روح ہے۔ بے یقینی کی اس کیفیت کو اقبال نے غلامی سے بتر قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک ضعفِ یقین کا مقابلہ ذوقِ یقین سے کیا جاسکتا ہے۔ جب انسان اپنی ذات اپنے معبود اور مقاصدِ زندگی کے سنگ سنگ حیات بعد ممات کے حوالے سے بے یقینی کا شکار ہو جائے تو اسے اپنی صلاحیتیں اور مقام مرتبہ ہیچ نظر آتا ہے۔ یہ بے یقینی فرائیڈ کے نظریۂ لاشعور اور وجودیت کی فکری تحریک سے مزید پیچیدگیوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ فرائیڈ نے انسانی شعور پر لاشعور کی بالادستی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے انسان کی عملیت اور اختیار کو معدوم کر دیا۔ دوسری طرف وجودی مکتبۂ فکر نے ''میں سوچتا ہوں اس لیے میں ہوں۔'' کا نعرہ بلند کرتے ہوئے خدا کی قادریت کو رد کر دیا۔ ایسے میں اقبال نے انسان کو خودی (Self-Hood) کا درس دیتے ہوئے اس کے اختیار و رضا کی ایک طرح سے قوالی گائی ہے۔ یہی وہ مقام ہے کہ اقبال وجودیت کے کافی قریب پہنچ جاتے ہیں مگر ذاتِ باری تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہوئے وہ واپس حصارِ دین میں داخل ہو جاتے ہیں اور پیغام دیتے ہیں کہ ذوقِ یقین ہی غلامی کی زنجیریں توڑنے کا محرک بنتا ہے۔ ''جوابِ شکوہ'' کا یہ شعر ایسی ہی گہری معنویت سے منور ہے۔

کشتیٔ حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عصرِ نورات ہے دھندلا سا ستارا تو ہے (۱۵)

اسی طرح مندرجہ ذیل اشعار کا بغور مطالعہ کیا جائے تو بے یقینی اور احساسِ محرومی کو رد کرنے کے بعد اقبال نے جس طرح انسان کا مرکزِ کائنات ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے وہ اردو شاعری میں کمیاب ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

بے خبر تو جوہرِ آئینۂ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے
اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں ہے تو
سینہ ہے تیرا امیں، اس کے پیامِ ناز کا
جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے پنہاں بھی ہے (۱۶)

یہی وہ رجائی لب ولہجہ ہے جو اقبال کو معاصر شعری روایت میں انفرادی مقام عطا کرتا ہے عروج آدم خاکی کی شدید تمنا لئے ہوئے وہ کبھی اسے خدا کا آخری پیغام اور کبھی جوہر آئینۂ آیام قرار دیتے ہیں لیکن یہ نکتہ وہ ہمہ وقت مد نظر رکھتے ہیں کہ عقیدہ ہی عصر نو میں اس کا واحد سہارہ ہے۔ اسی لیے اپنی شاعری کے آخری ادوار میں انہوں نے دین، فلسفہ، فقر اور سلطانی کے لیے پختہ عقائد کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے الحاد کا قصہ ہی تمام کر دیا ہے۔ یہ اشعار اس حوالے سے قابلِ غور ہیں:

حکمتِ مشرق و مغرب نے سکھایا ہے مجھے
ایک نکتہ کہ غلاموں کے لیے ہے اکسیر
دین ہو، فلسفہ ہو، فقیر ہو، سلطانی ہو
ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنا پر تعمیر
حرف اس قوم کا بے سوز، عمل زار و زبوں
ہو گیا پختہ عقائد سے تہی جس کا خمیر (۱۷)

اس پوری تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ فکرِ اقبال میں نہایت منظم انداز میں الحاد پرستی کا رد موجود ہے۔ لادینیت کے سیلاب کے آگے انہوں نے مذہب کا پختہ بند باندھا ہے۔ اس حوالے سے ان کی شعری فضا، ڈکشن، مشاہیر اور مقامات کے نام تک مذہبیت یا دوسرے لفظوں میں حجازیت کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اس کا عجمی خم مئے حجازی سے لبالب بھرا ہے۔ پختہ عقائد اور اقدار ہی ان کے نزدیک عبدیت کی معراج ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ الحاد ایک تعارف، محمد دین جوہر، محمد مبشر نذیر، کتاب محل لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۳۔۱۵
۲۔ ایضاً، ص ۱۱۔۱۲
۳۔ ایضاً، ص ۳۷۔۳۸
۴۔ ڈاکٹر محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۸ء، ص ۲۹
۵۔ ایضاً، ص ۳۷۴
۶۔ ایضاً، ص ۳۶۴
۷۔ ایضاً، ص ۲۹۰
۸۔ ایضاً، ص ۳۴۷
۹۔ ایضاً، ص ۵۴۷
۱۰۔ ایضاً، ص ۴۱۰
۱۱۔ ایضاً، ص ۵۳۲۔۵۳۳
۱۲۔ ایضاً، ص ۲۶۳
۱۳۔ ایضاً، ص ۲۶۵

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۶۳

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۳۵

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۲۰

۱۷۔ ایضاً، ص ۶۵۵۔۶۵۶